© rasailojaraid.com

سیاسیاتِ عالم

اسلام کے سیاسی فکر کی تشکیلِ جدید

(مولانا سید سلیمان ندوی اور معاصرین کے افکار کا مطالعہ)

ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی

مولانا سید سلیمان ندویؒ (۱۸۸۴-۱۹۵۳ء) ایک متبحر عالم دین، ایک مایہ ناز مورّخ، ایک صاحب بصیرت مفکر اور بلند خیال ادیب تھے۔ آپ کی ممتاز خدمات کا دائرہ تاریخ وسیرت، ادب وتنقید، قرآن وفقہ، لسانیات وصحافت اور سلوک ومعرفت کے متنوع پہلوؤں پر محیط ہے۔ اس لحاظ سے آپ کی علمی واصلاحی زندگی میں سیاست اور سیاسی سرگرمیوں کو کوئی منفرد مقام حاصل نہ تھا مگر ہندوستانی وملّی سیاست کے جن مسائل پر آپ نے اظہار خیال کیا اور جن تحریکوں اور مہمات میں آپ کی جدوجہد شامل رہی انھیں کوئی سیاسی مورخ نظر انداز نہیں کرسکتا۔

۱۹۱۶ء سے لے کر ۱۹۲۵ء تک تحریک خلافت کے روح رواں کی حیثیت سے مولانا نے نہ صرف ہندومسلم اتحاد کے لیے سرفروشانہ مجاہدہ کیا، انگریزی استعمار کے خلاف قومی رہنماؤں کے دوش بدوش مصروفِ عمل رہے بلکہ ایک مذہبی اور دینی فریضہ کی حیثیت سے ادارۂ خلافت کے احیاء، اس سے متعلق اعتراضات اور شکوک وشبہات کے ازالہ اور قرآن وسنت کی روشنی میں اس کے اثبات کی جدوجہد کی۔

۱۹ر جنوری ۱۹۲۰ء کو تحریک خلافت کا جو وفد وائسرائے ہند سے اپنے مطالبات پیش کرنے کے لیے ملا اس میں مولانا شریک تھے پھر ۲۰ر مارچ ۱۹۲۰ء کو ایک وفد حکومت برطانیہ کے سامنے اپنے مطالبات براہ راست رکھنے کے لیے لندن پہونچا اس میں اس مسئلہ کی دینی ترجمانی کے لیے مولانا ہی کا انتخاب ہوا[۱] خلافت کمیٹی نے ۲۰ر اپریل ۱۹۲۴ء کو ایک وفد جزیرۃ العرب بھیجنے کا فیصلہ کیا جس کی قیادت کے لیے مولانا ہی کا نام تجویز ہوا۔ اس وفد کو مندرجہ ذیل ہدایات کے ساتھ روانہ کیا گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱) مسلمانان ہند کی خواہش ہے کہ حجاز میں شرع اسلامی کے اصولوں پر جمہوری حکومت قائم ہو جس میں حجاز اندرونی طور پر آزاد و خود مختار ہو اور مسلمانان عالم سے متعلق مسائل میں اسلامی مرکزی حیثیت میں وہ عالم اسلام سے بھی مشورہ کرے۔

(۲) ایک اسلامی مؤتمر کی تشکیل ہو جس میں تمام اسلامی حکومتوں کے نمائندے شامل ہوں۔

(۳) حجاز کی جمہوریت اور مرکزی حکومت سے شریف حسین کا کوئی تعلق نہ ہو۔

(۴) تمام عرب ریاستوں میں شرع اسلامی کے مطابق کامل اتحاد ہو۔ وغیرہ[۹۲]

۲۰ را پریل ۱۹۲۶ء کو خلافت کمیٹی نے چوتھا وفد مؤتمر میں شرکت کی غرض سے جزیرۃ العرب بھیجا جس کے اراکین میں مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی اور محمد شعیب قریشی تھے۔ اس کے صدر مولانا سلیمان ندوی منتخب ہوئے۔ سلطان عبدالعزیز بن سعود سے اس کمیٹی نے چار بار ملاقات کی اور ہر ملاقات میں مولانا نے ہندوستانی مسلمانوں کا نقطۂ نظر بیان کیا اور شرع اسلامی کی روشنی میں اس کی وضاحت کی۔

مولانا سید سلیمان ندوی نے تحریک خلافت کے علاوہ انڈین نیشنل کانگریس سے بھی اپنا رشتہ استوار رکھا۔ ۱۹۲۱ء کے اجلاس احمد آباد میں وہ شریک ہوئے اور مجلس عاملہ کے رکن منتخب کر لیے گئے۔ ۱۹۲۲ء میں کلکتہ میں کانگریس اور خلافت کمیٹی کے جلسوں میں وہ شریک رہے۔ ملک کی آزادی کے حصول کے لیے کانگریس کے ساتھ اشتراک و تعاون کے پس پردہ ان کا یہ نقطۂ نظر کارفرما تھا کہ:

> "اب کیا مسلمان یہ پسند کریں گے کہ مخالف انقلاب طاقتوں کا ضمیمہ بن کر وہ بھی نذر آتش ہو جائیں یا ساحل پر کھڑے ہوئے طوفان کا تماشہ دیکھتے رہیں اور جب طوفان ختم ہو تو وہ اپنی سیاسی طاقت بھی ختم کر چکے ہوں اور ان کا شمار بھی انہی پسماندہ قوموں میں ہو جن کے لیے ہندوستان میں نفرت و حقارت کی پالیسی ہمیشہ کے لیے طے ہو چکی ہے۔"[۹۳]

مولانا نے ہو سکتا ہے مسلمانوں کو جوش اور غیرت دلانے کے لیے یہ بات کہی ہو۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ آزادی کی جدوجہد میں مسلمان تماشائی نہیں بنے رہے بلکہ اپنی آبادی کی نسبت سے اس میں برابر کے شریک رہے مولانا کے اس بیان کو پوری طرح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مان لینے کے بعد ایک سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ تحریک آزادی میں مسلمانوں کی سرفروشانہ شرکت نہ ہونے کی وجہ ان کی پست ہمتی، بزدلی اور کم مائیگی تھی یا وہ اس تحریک میں آنکھیں بند کر کے شریک ہونے کے لیے تیار نہ تھے جس کی بنیاد قوم پرستی اور برطانوی طرز کی جمہوریت پر رکھی گئی تھی۔ مسلمانوں نے جب اس رخ پر سوچنا شروع کیا تو ان کے رویہ میں تبدیلی آگئی۔ اس بحث سے قطع نظر مولانا کا ذہن اس معاملہ میں بالکل یکسو تھا۔ وہ سیاسی آزادی کی اس جدوجہد کو مذہبی فریضہ تصور کرتے تھے۔ چنانچہ تقریباً ۶ ماہ کے سفر یوروپ اور مختلف مکاتب فکر کے لوگوں سے تبادلۂ خیالات کے بعد وہ اس نتیجہ تک پہونچے تھے کہ:

"اگر ہم کعبہ اور مرقد اخضر کو آزاد کرانا چاہتے ہیں تو ہم کو ہندوستان آزاد کرانا چاہیے۔ اب ہندوستان کی آئینی آزادی میں کوشش صرف دنیاوی مسئلہ نہیں بلکہ دینی فرض اور مذہبی حق ہے"۔[۱۷]

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دوسرے علماء دین اور رہنمایان ملت کی طرح مولانا نے بھی ہندوستانی سیاست کو تحریک خلافت کے پلیٹ فارم سے دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کی تھی اس وجہ سے انڈین نیشنل کانگریس کے رہنماؤں کی فرقہ وارانہ ذہنیت غیر جمہوری سوچ اور فسطائی طرز فکر وعمل مولانا کی نگاہوں سے پوشیدہ رہا۔ آج مولانا ابوالکلام آزاد کے تیس صفحات کی نقاب کشائی اور خود گاندھی جی کے مکاتیب پر حالیہ تبصروں نے اس حقیقت کو بالکل عیاں کر دیا ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی کی یہ سیاسی دوڑ دھوپ اور جدوجہد ان کی علمی و اصلاحی زندگی کا ایک بہت معمولی حصہ تھی اور اس شرکت و مساہمت کو وہ اپنے لیے قابل فخر تصور نہ کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مقام پر وہ خود فرماتے ہیں:

"میں پالیٹکس سے گھبراتا نہیں اور نہ سیاست کے خطرات سے خوف زدہ ہوں لیکن قوم مجھ سے ایک ہی کام لے سکتی ہے یا علم کی خدمت یا سیاست۔ خدمتِ علم سکون واطمینان کی طالب ہے اور سیاست ہنگامہ آرائی اور شور وغل کی مقتضی۔ جب تک دارالمصنفین اور تکمیل سیرت کی زنجیر اپنے پاؤں سے نہ کاٹوں اس دنگل میں کود نہیں سکتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک وقت میں دو کام نہیں ہو سکتے، بایں ہمہ آپ دیکھتے ہیں کہ کبھی کبھی اپنے گوشۂ عافیت سے نکل کر اس دنگل میں بھی کود جاتا ہوں۔"[۵۳]

اسلام کا تصور سیاست

مولانا کے سیاسی افکار پر گفتگو کرتے ہوئے ان مقالات و مضامین کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جو اسلام کے سیاسی فکر سے متعلق ان کے نوک قلم سے وجود میں آئے۔ یہ تحریریں راقم کی نگاہ میں انتہائی اہم ہیں اور سنجیدہ تجزیہ اور ماہرانہ مطالعہ کی طالب ہیں۔ اسلام کے نظام سیاست پر گفتگو کرتے ہوئے وہ اپنے معاصر اور بزرگ مولانا حمید الدین فراہیؒ (۱۸۶۳ء – ۱۹۳۰ء) سے متاثر بھی نظر آتے ہیں اور یک گونہ اختلاف کرتے ہوئے بھی دکھائی دیتے ہیں۔

اسلام کے تصور سیاست پر گفتگو کرتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں دین اور دنیا دونوں کی برکتیں لے کر آئے۔ آپؐ نے صرف آسمانی بادشاہی کی خوشخبری نہیں سنائی بلکہ آسمانی بادشاہی کے ساتھ دنیا کی بادشاہی کی بھی بشارت دی[۵۴]۔ مولانا کتاب اور نبوت کے بعد حکومت و سلطنت اور دنیا کی سیاست کو اللہ کی بڑی نعمت تصور کرتے ہیں[۵۵]۔ مولانا کے مطابق "حکومت و ریاست اور سلطنت و ولایت بھی امور دین کا درجہ رکھتی ہیں۔ اسلام کی شریعت میں یہ دین ہی کا ایک حصہ ہیں کیونکہ یہاں دین کے معنیٰ احکام الٰہی ہیں یا قوانین ہیں۔ یہ احکام الٰہی اور قوانین الٰہی انسانی زندگی کے ہر شعبہ سے یکساں متعلق ہیں۔ اس بنا پر سلطنت و ولایت اور حکومت و ریاست کے کاروبار کا نظم و نسق اور اہتمام و انصرام بھی دین ہی کا ایک جزو ہے۔"[۵۶]

دین و سیاست، مذہب و حکومت اور جہاد اصغر و جہاد اکبر میں تفریق کرنے والوں اور دونوں کو ایک دوسرے کی ضد قرار دینے والوں پر مولانا سخت تنقید کرتے ہیں:

"ایک مدت سے علماء کی گوشہ گیری اور صوفیہ کی خانقاہ نشینی نے عوام کو یہ یقین دلا دیا ہے کہ قیام سلطنت اور امور سلطنت میں دخل و تدبیر دنیا کا کام ہے جس سے اہل علم اور اہل اتقاء کو کنارہ کش رہنا چاہیے لیکن اسلام اس خسروی کا قائل نہیں۔ اس کی نگاہ میں سلطنت احکام الٰہی کی تبلیغ، تنفیذ اور اجراء کے لیے ہے اور یہ عین دین ہے۔ اسلام میں جس قتال و جہاد کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دعوت برملا دی گئی ہے اور جس پر اخروی نعمتوں کے بڑے بڑے وعدے اللہ نے فرمائے ہیں..... اس سے مقصود اصلی احکام الٰہی کی تبلیغ، تنفیذ اور اجراہی تھا۔[۹]

مولانا ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸ء — ۱۹۵۸ء) مذہب اور سیاست کے اجتماع کو "روح القدس" خیال کرتے ہیں جو مس کو طلائے خالص بنا دیتی ہے اور ناقابلوں کو جوہرِ گراں مایہ۔ اسی روح القدس کے فقدان کی وجہ سے دوسری قوموں کے مقابلہ میں مسلمانوں میں ترقی صفر ہے۔ مسلمانوں میں انگریزی تعلیم کا نہ ہونا، ہندوؤں جیسے قابل اشخاص کی ہم میں عدم موجودگی، سحر بیان مقرر اور جادو نگار اہل قلم کی کمیابی اور ایثار و فدائیت کی مثالوں کا عنقا ہونا سب اس وجہ سے ہے کہ مذہب کو اوہام و خرافات کا مجموعہ بنا کر رکھ دیا گیا ہے اور سیاست کو آدم کے باغِ عدن کا شجرِ ممنوعہ۔[۱۰]

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (۱۹۰۳ء — ۱۹۷۹ء) نے دین کا جو تصور پیش کیا اس میں مذہب و سیاست کا باہمی ربط واضح ہے۔ وہ سیاست کو مذہب ہی کا ایک حصہ سمجھتے رہے ہے۔ یہ وہ تصورِ دین ہے جو مسجد سے لے کر بازار اور میدان کارزار تک، طریق عبادت سے لے کر ریڈیو اور ہوائی جہاز کے طریق استعمال تک، غسل و وضو اور طہارت و استنجا کے جزوی مسائل سے لے کر اجتماعیات، معاشیات، سیاسیات اور بین الاقوامی تعلقات کے بڑے سے بڑے مسائل تک مکتب کی ابتدائی تعلیم سے لے کر آثار فطرت کے انتہائی مشاہدات اور قوانین طبعی کی بلند ترین تحقیقات تک زندگی کی تمام مساعی اور فکر و عمل کے تمام شعبوں پر محیط ہے۔[۱۱]

خلافت کا مفہوم و مدّعا

مولانا فراہیؒ نے خلافت کا جو تصور دیا ہے اس کی بنیاد مطلق آزادی، عہد اور بیعت پر ہے۔[۱۲] وہ فرانسیسی مفکر جان جاک روسو (۱۷۱۲ء — ۱۷۷۸ء) کے معاہدۂ عمرانی (Social Contract Theory) سے متاثر نظر آتے ہیں مگر ساتھ ہی قرآن کے تصور عہد و میثاق کی گہری چھاپ بھی ان کی فکر پر ہے۔ مولانا نے تمدن کی ترقی اور خلافت کے قیام کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے۔ اللہ نے نوع انسانی پر اپنی کامل رحمت کا ارادہ کیا تو اس کی تربیت کے اسباب بھی فراہم کیے اور ثقافت و تمدن کو نوع انسانی کی تکمیل کا زینہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنایا اور وہ زینہ خلافت ہے۔[۱۳] فراہیؒ کے تصور خلافت میں انسانوں کی عظیم ترین نعمت آزادی وحریت باقی رہتی ہے اور عدل وقسط کا نظام نافذ رہتا ہے لیکن جب عوام اپنی حریت کا تحفظ نہیں کرپاتے اور عدل وقسط کی قیمت چکانے پر تیار نہیں رہتے تو ملوکیت آجاتی ہے اور اس نظام ملوکیت کا پہلا قدم امت کا حق انتخاب امیر غصب کرنا ہے۔[۱۴]

سید سلیمان ندویؒ کا تصور خلافت مادی وروحانی، دنیاوی ودینی دونوں قسم کی سرداری وسیادت پر مشتمل ہے۔[۱۵] مولانا کے مطابق خلیفہ "دینی ودنیوی، مادی وروحانی دونوں قوتوں کا بیک وقت رئیس وسردار ہے۔ کوئی روحانی خلیفہ وامام اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ مادی ودنیاوی طاقت کسی نہ کسی طرح اپنے ہاتھ میں نہ رکھتا ہو۔"[۱۶] خلافت الٰہی کے مقصد کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں کہ "اس خلافت کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کا وہ دین جس کو خدا نے ان کے لیے پسند کیا یعنی اسلام، اس کو دنیا میں قوت واستحکام بخشا جائے کہ ظالموں اور ستمگروں کی زبردستی کے حملوں سے وہ دین اور اس کے ماننے والے ہمیشہ محفوظ رہیں۔"[۱۷] مولانا نے سلطنت، ملک اور ملک الملوک کی باقاعدہ تشریح کی ہے اور ان کے تصور کو اسلامی قانون کی روح کے منافی قرار دیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اسلام کے طرز حکومت کو خلافت کا نام دینا مناسب ترین ہوگا کیونکہ یہ حکومت دراصل اللہ کی نیابت ہے اور اسلامی امیر اس کا خلیفہ یا نائب کی حیثیت رکھتا ہے۔[۱۸] یہاں اس امر کی صراحت نامناسب نہ ہوگی کہ مولانا سلیمان ندوی کا تصور خلافت قدرے مبہم ہے وہ قرآن وسنت کی روشنی میں اس کے مفہوم ومعنیٰ کی وضاحت بیانیہ انداز میں کرتے ہیں جبکہ مولانا فراہی کے یہاں کسی قدر تجزیہ اور تفصیل بھی ہے۔

مولانا آزاد نے خلافت کے تصور پر تفصیل سے کلام کیا ہے۔ ان کے نزدیک قرآن میں خلافت، استخلاف فی الارض اور وراثت وتمکن فی الارض کے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان سے مقصود زمین کی قومی عظمت وریاست اور قوموں اور ملکوں کی حکومت وسلطنت ہے۔[۱۹] مولانا آزاد کے مطابق رسول اکرمؐ اور آپ کے خلفاء اربعہ نے جس اسلامی ریاست کی تشکیل کی تھی وہ دراصل اہل ایمان کی جمہوری خلافت تھی جس کے چھ قواعد اساسی تھے:

۱۔ سب کتاب وسنت کے احکام کے پابند تھے اور مطلق العنانی کو قطعاً دخل نہ تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔ عدل اور قانون کی یکسانیت۔

۳۔ مساوات بین المسلمین۔

۴۔ امانت یعنی ذمہ داریوں کی منصفانہ تقسیم۔

۵۔ شورائی نظام۔

۶۔ اطاعت فی المعروف۔[۲۰]

مولانا مودودیؒ نے اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں متعدد مواقع پر خلافت کی تشریح و توضیح کی ہے۔[۲۱] مولانا کے مطابق خلافت اور امانت دو مترادف قرآنی اصطلاحیں ہیں جن کے ذریعہ انسان کو اس کے اصل فرائض منصبی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ انسان اس سرزمین کا فرمانروا ہے مگر اس کی فرمانروائی بالاصالت نہیں بلکہ تفویض کردہ ہے اس لیے قرآن نے اس کے اختیارات مفوضہ کو امانت سے تعبیر کیا ہے۔[۲۲] مولانا مودودی کا یہ تصور خلافت انفرادی، شخصی، طبقاتی یا خاندانی نہیں بلکہ اجتماعی ہے۔ یہاں اقتدار کسی ایک شخص، طبقہ، خاندان کو نہیں بلکہ ریاست کے تمام مسلمانوں کو من حیث الجماعت سونپا گیا ہے اور یہ اقتدار بھی محدود ہے کیونکہ یہ خدا کا عطیہ ہے اور اسے اس کے مقرر کیے ہوئے حدود کے اندر ہی استعمال کیا جا سکتا ہے۔[۲۳]

اقتدارِ اعلیٰ

مولانا سید سلیمان ندوی نے اس حقیقت کی صراحت کی ہے کہ اسلام میں حقیقی اقتدار صرف اللہ کو حاصل ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "احکام شریعت اور قانون شرعی کا واضع صرف اللہ ہے۔ اس کا حکم حکم ہے اور اس کا قانون قانون ہے"۔[۲۴] وہ اس امر کی صراحت بھی کرتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ کے سوا جس کے احکام کو قانون کا درجہ دے کر اطاعت کی جائے اور اس کے مطابق فیصلہ مانا جائے وہ طاغوت ہے"۔[۲۵]

مولانا فراہی نے علم ملکوت الٰہی کو تمام علوم کی بنیاد و اساس قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس علم کا تعلق اللہ کی صفات و خصوصیات سے براہ راست ہے۔ اس نظریہ کی صحیح معرفت پر نبوت اور آخرت کے عقائد کی معرفت کا انحصار ہے کیونکہ خدا کی حاکمیت عدل اور رحمت پر مبنی ہے اور آخرت، کا سارا حساب کتاب اس کی حاکمیت اور عدل پر منحصر ہے۔[۲۶]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا فراہی کے نزدیک حاکمیت اعلیٰ کا صحیح فہم اس لیے بھی ضروری ہے کہ دنیا کی تاریخ، دین و مذہب کی تاریخ، شریعتوں کے اصول اور ان کی حکمتیں، انجیل اور بشارت احمدیہ کا فہم، سیاست الٰہیہ، مثالی سیاست، شریعت خداوندی کی تطبیق، بندوں کے ساتھ اللہ کے مختلف معاملات وغیرہ یہ سارے بنیادی امور حاکمیت کے صحیح علم ہی سے سمجھ میں آسکتے ہیں۔[۲۷]

مولانا آزاد نے سیاسی حاکمیت اور اقتدار اعلیٰ پر مزید شرح وبسط سے کام لیتے ہوئے نہایت بے خوفی سے گفتگو کی ہے اور خدا کی اطاعت سے منہ موڑ کر قانون سازی اور قوانین انسانی کی پیروی کو سیاسی شرک سے تعبیر کیا ہے۔ انھوں نے امراء و حکام کی اطاعت کو اطاعتِ الٰہی کے منافی اور توحید الٰہ کے قرآنی تصور سے متصادم قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:-

"قریش مکہ نے اپنے بڑوں کی مورتیاں بنا رکھی تھیں تم نے دنیوی تاج و تخت اور احکام و امراء کو ان کی جگہ دے دی ہے۔ تم ان سے اس طرح ڈرتے اور ان کے نام سے کانپتے ہو جو صرف خدا ہی کے ساتھ سزاوار تھا۔ تم ان کا ذکر اس احترام و عظمت سے کرتے ہو جو صرف خدا ہی کا حقِ خالص تھا۔ تم ان کے آگے اس عاجزی اور ذلت سے جھکتے ہو جو صرف خدا ہی کے سامنے زیب دیتی تھی تم ان کے احکام جائرہ اور اوامر مستبدّہ کی اس طرح بلاچون وچرا تعمیل کرتے ہو جس کا حق خدا کے سوا کسی ہستی کو نہ تھا۔ تم خدا کے گھر کے اندر ان کا ذکر کرتے اور ان کی تعریف و تہنیت میں گیت گاتے ہو اور ان کے حکموں اور فرمانوں کا منبروں پر چڑھ چڑھ کر اعلان کرتے ہو پھر اگر یہ شرک فی الصفات نہیں ہے تو کیا ہے؟ کیا شرک و بت پرستی بغیر پتھر کی مورت اور بغیر قربانی کے بچھڑے کے ممکن نہیں؟ کیا شرک و بت پرستی کا گھر دل اور ارادہ نہیں بلکہ مندر کا کلس اور پوجا کا چبوترہ ہے۔"[۲۸]

مولانا مودودی نے ان منتشر افکار و خیالات کی نظریہ کاری کر کے حاکمیت الٰہ کا ایک جامع تصور پیش کیا۔ مولانا کے افکار کی تلخیص چند نکات میں اس طرح بیان کی جاسکتی ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۔ اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے۔ خلق اسی کی ہے لہٰذا فطرتاً امر کا حق (Right to Rule) صرف اسی کو پہونچتا ہے۔

۲۔ قانون سازی کا حق انسان سے سلب کر لیا گیا ہے کیونکہ وہ مخلوق اور رعیت ہے۔

۳۔ اس سرزمین پر صحیح حکومت و عدالت صرف وہ ہے جو خلافت الٰہی کی بنیاد پر قائم ہو۔

۴۔ ہر وہ حکومت اور عدالت باغیانہ ہے جو قانون الٰہی کے بجائے کسی دوسری بنیاد پر قائم ہو خواہ ایسی حکومتوں اور عدالتوں کی نوعیت باہم کتنی ہی مختلف ہو۔

مولانا کے مطابق یہی وہ مرکزی عقیدہ ہے جس پر اسلام کے نظام فکر، نظام اخلاق اور نظام تمدن کی بنیاد رکھی گئی ہے اور مسلمان اپنے ایمان کے تقاضے پورے نہیں کر سکتے جب تک وہ اسلامی معاشرہ اور اسلامی حکومت قائم نہ کر لیں۔[۲۹]

طرز حکومت

اسلامی نظام حکومت کی نوعیت اور طرز پر علماء اور دانش وروں میں بڑا اختلاف رہا ہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی (متوفی ۲ اگست ۱۹۶۲ء) نے اسلامی نظام حکومت کو اشتراکیت کے فلسفۂ لادینیت سے متصادم قرار دیتے ہوئے اس کے اقتصادی پہلوؤں سے یک گونہ مشابہ قرار دیا۔ انھوں نے صراحت کی کہ "جب ہم اس فلسفہ (کمیونزم) کے فقط اقتصادی پہلو سے بحث کرتے ہیں اور دنیا کے دوسرے غیر اسلامی نظام ہائے معاشی کے مقابلے میں اس کو پیش نظر لاتے ہیں تو اس وقت ہم کو اس حقیقت ثابتہ کے اظہار میں کوئی باک نہ ہونا چاہیئے کہ اس میں شک نہیں کہ اقتصادی نظام کے بہت سے امور میں اسلام اور اشتراکیت باہم متقارب نظر آتے ہیں"۔[۳۰]

اخوانی رہنما ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی (۱۹۶۴-۱۹۱۵ء) نے تو اشتراکیۃ الاسلام کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی۔[۳۱] علامہ عنایت اللہ مشرقی (۱۹۶۳-۱۸۸۱ء) نے جرمنی کی فاشزم کو اپنے سامنے رکھا اور اسلامی حکومت کو آمرانہ طرز حکومت کے مماثل قرار دیا۔[۳۲] پروفیسر آرنلڈ (۱۹۳۰-۱۸۶۴ء) نے اپنی کتاب The Caliphate میں دور رسالت کی حکومت کو Arbitrary, Autocratic ثابت کرنے کی کوشش کی۔[۳۳] مگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا سید سلیمان ندوی کا خیال ہے کہ :

"وہ ایک ایسا طرز حکومت ہے جو محمد رسول اللہ ہی کے ذریعہ ظہور میں آیا اور اسلام ہی نے اس کو پیش کیا ہے۔ وہ نہ اوتماری ہے نہ شخصی ہے۔ نہ دستوری ہے نہ جمہوری ہے اور نہ زعیمی ہے، بلکہ ایک ایسا طرز حکومت ہے جس میں ان سب کے خصوصیات وفضائل تو یکجا ہیں لیکن وہ ان کے قبائح ومثالب سے خالی ہیں"[۳۴]

مولانا کو شکایت ہے کہ "سیاسی مفکرین کی نظر حکومت کی ظاہری اشکال کے گورکھ دھندوں میں پھنس کر رہ گئی اور اسلام کی نظر اس کے اندر کی حقیقت پر ہے اس کے نزدیک حکومت کی ظاہری شکل یعنی انتخاب کا طریقہ، ارباب شوریٰ کی ترتیب اور تعیین، ان کے فرائض وحقوق، ان کے انتخاب، اظہار رائے کے طریقے اور دیگر متعلقہ مسائل اہمیت کے قابل نہیں۔ اصل چیز حکومت کے امیر ورئیس اور ان کے ارکان وعمال کا تقویٰ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی ذمہ داری کا قلبی وایمانی احساس اور اس حقیقت کی تلقین ہے کہ حکومت کا کوئی جزو کسی کی شخصی یا خاندانی ملکیت نہیں بلکہ وہ خدا کی ملکیت ہے اور اسی کے حکم یا منشائے حکم کا نفاذ حکومت کا فرض ہے"[۳۵] گویا مولانا کو کسی مخصوص نظام حکومت پر اصرار نہیں ہے نہ وہ طرز حکومت کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

مولانا فراہیؒ کو سلطنت حرّۃ (آزاد سلطنت) ہی پر اصرار ہے جس کا مدار شورائیت ہے۔ اس میں اقتدار موروثی نہیں ہوتا نہ سلطان کے تحفظ کے لیے خدم وحشم اور عسکر ولشکر کا اہتمام ہوتا ہے۔ فراہی کے تصور حکومت میں جمہوری وملّی خدمات کی بڑی اہمیت ہے۔ یہاں آزادی ومساوات کا دور دورہ ہوتا ہے اور عوام کی غیرت وحمیت پوری طرح محفوظ رہتی ہے مولانا نے مثال میں حضرت عمر فاروقؓ کے دور حکومت کو پیش کیا ہے۔ دور ملوکیت کو مولانا فراہی سلطنۃ معبّدۃ سے تعبیر کرتے ہیں جہاں حاکم آزاد اور مطلق العنان ہوتا ہے۔ مولانا شاہی اشرافیہ فوجی حکومت اور ملوکیت کے خلاف ہیں کہ یہاں شورائیت اور آزادی کا فقدان رہتا ہے[۳۶]

مولانا مودودیؒ نے اسلامی طرز حکومت Theo-Democracy یعنی الٰہی جمہوری حکومت کی اصطلاح استعمال کی ہے کیونکہ اس میں خدا کے اقتدار اعلیٰ کے تحت مسلمانوں کو ایک محدود عمومی حاکمیت (Limited Popular Sovereignty) عطا کی گئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اس میں انتظامیہ اور مقننہ مسلمانوں کی رائے سے بنے گی۔ مسلمان ہی اس کو معزول کرنے کے مختار ہوں گے۔ سارے انتظامی معاملات اور تمام وہ مسائل جن کے متعلق خدا کی شریعت میں کوئی صریح حکم موجود نہیں ہے مسلمانوں کے اجماع ہی سے طے ہوں گے۔[۳۷]

مولانا آزاد اسلامی نظام حکومت کو اسلامی جمہوریت قرار دیتے ہیں جس میں:۔

۱۔ ہر ذاتی و شخصی تسلط کی نفی کی گئی ہے اور حکومت جمہور کی ملکیت ہے۔

۲۔ نفی حکم ذاتی کا پہلا نتیجہ مساوات عمومی افراد لبشر ہے۔

۳۔ رئیس جمہوریت کو خلیفہ کہا گیا ہے اور اجماع سے مقصود قوت اکثریت انتخاب ہے اور

۴۔ تکمیل جمہوریت صحیحہ کے لیے رئیس جمہور کو عام افراد ملک کے مقابلہ میں کوئی امتیاز عطا نہ کیا گیا۔[۳۸]

انتخاب امیر

سید سلیمان ندویؒ کی تحریروں میں اس مسئلہ سے کوئی خاص تعرض نہیں کیا گیا ہے، لیکن ان کا عام رجحان علماء کے روایتی تصور کی طرف نظر آتا ہے۔ جہاں امیر یا خلیفہ کے فرائض و صفات سے بحث ہوتی ہے اور اس کے طریقۂ تسلط یا طرز حکومت سے کوئی تعرض نہیں ہوتا۔ مولانا فراہیؒ کا نقطۂ نظر اس معاملہ میں واضح ہے وہ اسی شخص کو جائز حاکم مانتے ہیں جس کے اعمال صالحہ نمایاں ہوں، لوگوں نے بخوشی اس کی اطاعت کی ہو۔ اس سے محبت کی بنا پر اس کی تعظیم کرتے ہوں۔ اس کی رائے پر مکمل اعتماد ہو اور اسے اپنے بیشتر معاملات میں انھوں نے ذمہ دار بنایا ہو۔ یہی مولانا کے نزدیک امیر کا انتخاب ہے وہ فرماتے ہیں:

فطا عتهم لأولى الامر	اولو الامر کی اطاعت انتخاب اور آزادی
ليست إلا بالاختيار والحرية	کے ساتھ مشروط ہے اور کوئی شخص
ولا يكون احد منهم أولى	سربراہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ اس
الامر الا بما ظهر من صالح	کے صالح اعمال رونما ہوں اور لوگوں
اعماله فأذعن له الناس	نے بخوشی اس کے سامنے سر جھکایا ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طوعًا وعظّموہ حُبًّا واعتمدوا	محبت کے ساتھ اس کی تعظیم کرتے ہوں
علی رأیہ مصلحۃً فجعلوہ	اور اسی کی رائے کو قرین مصلحت سمجھتے ہوں اور
وکیلًا فی اکبر الامور وھو	اکثر معاملات میں اسے اپنا نمائندہ بنا لیا ہو اور
انتخابُ الامیر[۳۹]	یہی امیر کا انتخاب ہے۔

مولانا آزادؒ انتخاب عام کے حق میں ہیں۔ وہ خلفائے راشدین کے طرق انتخاب سے تفصیل سے بحث کرتے ہیں اور قاضی ماوردی اور علامہ تفتازانی وغیرہ کے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد آخر میں یہ تبصرہ کرتے ہیں کہ اس میں انتخاب خلیفہ کے لیے انتخاب و مشورۂ اہل حل و عقد کے ساتھ تعیین اور نامزدگی کی جو شق رکھی گئی ہے وہ حضرت عمرؓ کے انتخاب کے پیش نظر ہے لیکن غور کیجیے تو حضرت عمرؓ کے لیے تحریک گو حضرت ابو بکرؓ نے کی لیکن اس پر تمام ارباب حل و عقد اور پھر عامۃ المسلمین نے پسندیدگی کا اظہار کیا اس لیے وہ بھی تعیین شخصی نہیں بلکہ بمنزلہ انتخاب عام کے تھا۔[۴۰]

اس مسئلہ میں مولانا مودودیؒ کا نقطۂ نظر بھی یہی ہے کہ اسلامی مملکت میں صدر کا انتخاب عام لوگوں کی رضامندی پر منحصر ہے۔ کوئی شخص خود زبردستی امیر بن جانے کا حق نہیں رکھتا۔ کسی خاندان یا طبقے کا اس منصب پر اجارہ نہیں ہے اور انتخاب کسی جبر کے بغیر مسلمانوں کی آزادانہ رضامندی سے ہونا چاہیے۔ رہی یہ بات کہ مسلمانوں کی پسند کیسے معلوم کی جائے تو اس کے لیے اسلام میں کوئی خاص طریق کار مقرر نہیں کیا گیا ہے۔ حالات اور ضروریات کے لحاظ سے مختلف طریقے اختیار کیے جا سکتے ہیں بشرطیکہ ان سے معقول طور پر یہ معلوم کیا جا سکتا ہو کہ جمہور قوم کا اعتماد کس شخص کو حاصل ہے۔[۴۱]

شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی (متوفی ۱۹۷۴ء) کا نقطۂ نظر بھی روایتی ہے۔ وہ ایک طرف ملوکیت اور شخصی حکومت کے مفاسد شمار کراتے ہیں[۴۲] اور دوسری طرف اسلامی نظام حکومت میں خلیفہ یا امیر کی تقرری کے لیے تمام طریقوں کو جائز اور درست قرار دیتے ہیں۔ فاضل مصنف کہتے ہیں کہ کتاب و سنت کے مطابق "ملک کا انتظام کرو خواہ بطریق ملوکیت ہو یا بطریق جمہوریت ہو۔ چاہے بادشاہ بنو اور چاہے صدر جمہوریہ بنو جو چاہے بنو بہر حال قانون شریعت کا اتباع تم پر لازم ہے۔"[۴۳] گویا طرز حکومت اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سربراہِ ریاست کی تقرری — کے طریقہ سے کوئی بحث مولانا نے نہیں کی۔ کسی بھی نظام حکومت کو اختیار کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ شریعت کی تنفیذ پیش نظر ہو۔ اسلامی احکام کے اتباع و نفاذ کے لیے کسی بھی طرز حکومت کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔

اسلام کے فکر سیاسی اور نظام سیاسی کے ارتقاء پر موجودہ ہندوستان میں جو بحثیں ہوئی ہیں اور علماء اور دانش وروں نے اس میدان میں جو خدمات انجام دی ہیں ان میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کا حصّہ کسی سے کم نہیں ہے۔ ضرورت ہے کہ ہندوستانی مفکرین کے ان افکار و مباحث کا بے لاگ تجزیہ کیا جائے اور ان کی صحیح قدر و قیمت متعین کی جائے۔

حواشی و تعلیقات

سلہ شاہ معین الدین احمد ندوی، حیات سلیمان، دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۷۳ء ص ۱۷۸

سلہ تفصیل کے لیے دیکھئے سیّد یوسف کمال بخاری کا مضمون، تحریک خلافت، مطالعہ سلیمانی (مقالات بزم سلیمان بھوپال) مرتبہ مسعود الرحمٰن خاں ندوی، بھوپال ۱۹۸۶ء ص ۱۵ا، ۲۲۶

سلہ حیات سلیمان، حوالہ بالا، ص ۲۱۰

سلہ مولانا نے متحدہ جمہوریت اور آئینی آزادی کی جو اصطلاحیں استعمال کی ہیں ان سے ان کا مدعا پوری طرح واضح نہیں ہوتا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ان اصطلاحات کے مضمرات سے پوری طرح واقف نہ تھے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے۔ پروفیسر ابوالفضل عثمانی، مولانا سید سلیمان ندوی کے سیاسی رجحانات، سید سلیمان ندوی (مرتبہ) پروفیسر عتیق احمد صدیقی، شعبہ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ۱۹۸۵ء ص ۱۴۲-۱۴۳۔ جنگ آزادی میں مسلمانوں کی عدم شرکت پر مولانا کے تبصروں اور خیالات پر اسلامی تنقید کے لیے دیکھئے، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تحریک آزادی ہند اور مسلمان، حصہ اول، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۸۷ء ص ۱۴۲-۱۷۲

سلہ سیّد سلیمان ندوی، حیات شبلی، دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۷۰ء ص ۲۱۹

سلہ سید سلیمان ندوی، سیرت النبی، جلد ہفتم، دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۸۷ء ص ۱۸

سلہ نفس مصدر، ص ۲۳

سلہ نفس مصدر، ص ۱۴۱-۱۴۲

سلہ نفس مصدر، ص ۱۴۲-۱۴۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۰؎ مولانا ابوالکلام آزاد، ہفتہ وار الہلال، کلکتہ، جلد اول، شمارہ ۱۴، ۸؍اگست ۱۹۱۲ء ص ۱۰-۱۱
مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی نے الہلال کی پالیسی پر اعتراض کیا کہ اس کے دائرہ میں مذہب و سیاست کے سبھی مباحث آ گئے ہیں تو مولانا آزاد نے انھیں جواب میں لکھا کہ "بے شک وہ تعلیم اور پالیٹکس جس پر اب تک مصلحین ملت عامل رہے ہیں مذہب کے ساتھ ایک دائرے میں نہیں آ سکتے کیونکہ غلامی اور توحید، حق اور باطل، کفر اور اسلام کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہوئے لیکن شاید مولانا کی نظر اس پر نہ گئی کہ الہلال جس تعلیم اور پالیٹکس کی طرف بلاتا ہے وہ تو یکسر قرآن ہی سے ماخوذ ہے اور جب دعوت قرآنی اس کا مقصد ہے تو لازمی طور پر وہ بھی اس کے دائرہ بحث میں ہے اور جب تک اسلام دنیا میں باقی ہے ہمیشہ رہے گا" (الہلال، جلد اول، شمارہ ۱۵، ۲۳؍اکتوبر ۱۹۱۲ء ص)

۱۱؎ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی ریاست، فلسفہ، نظام کار اور اصول حکمرانی، مرتبہ خورشید احمد، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۴۱-۴۲۔

۱۲؎ عبدالحمید الفراہی، فی ملکوت اللہ، دائرہ حمیدیہ، اعظم گڑھ، ۱۳۹۱ھ ص ۳۰-۳۱ (افادات)

۱۳؎ نفس مصدر، ص ۲۳-۲۵

۱۴؎ نفس مصدر، ص ۲۵۔

۱۵؎ سید سلیمان ندوی، مقالات سلیمان، جلد سوم، دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۷۱ء ص ۳۷۷ (مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی۔)

۱۶؎ نفس مصدر، ص ۳۹۳

۱۷؎ نفس مصدر، ص ۳۹۸

۱۸؎ دیکھئے سیرۃ النبی جلد ہفتم، ص ۱۲۶-۱۲۸

۱۹؎ مولانا ابوالکلام آزاد، مسئلہ خلافت، مکتبہ احباب لاہور، ص ۵، ۶

۲۰؎ نفس مصدر، ص ۷-۱۱

۲۱؎ تفصیل کے لیے دیکھئے ترجمان القرآن، لاہور، ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ/فروری ۱۹۳۵ء اسلامی ریاست، حوالہ بالا، ص ۱۹۵-۲۰۰

۲۲؎ اسلامی ریاست، حوالہ بالا، ص ۲۰۳۔

۲۳؎ نفس مصدر، ص ۳۷۱

۲۴؎ مقالات سلیمان، حوالہ بالا، ص ۳۸۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۵؎ نفس مصدر، ص ۳۷۶

۲۶؎ فی ملکوت اللہ، حوالہ بالا، ص ۴

۲۷؎ مولانا فراہی کے تصور حاکمیت کو تفصیل سے سمجھنے کے لیے دیکھئے راقم کا مضمون، اسلام کا نظریہ حاکمیت و خلافت اور مولانا فراہیؒ، علامہ حمید الدین فراہی۔ حیات و افکار، دائرہ حمیدیہ، اعظم گڑھ، ۱۹۹۲ء ص ۴۷۳ - ۵۱۰۔

۲۸؎ مولانا ابوالکلام آزاد، مقالات الہلال، ادبستان لاہور، ۱۹۵۵ء ص ۳۸۔

۲۹؎ مولانا مودودی، اسلامی ریاست، حوالہ بالا، ص ۴۹ - ۵۷۔

۳۰؎ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، اسلام کا اقتصادی نظام، ندوۃ المصنفین دہلی، ۱۹۵۱ء ص ۳۸۶

۳۱؎ مصطفی السباعی، اشتراکیۃ الاسلام، موسسۃ المطبوعات العربیۃ دمشق، ۱۹۶۰ء صفحات ۲۲۴، اس کتاب میں فاضل مصنف نے "اسلامی سوشلزم" کے خدوخال کی وضاحت کی جو مغرب کے مادی تصور سوشلزم سے یکسر مختلف ہے۔ مصنف کے خیال میں اسلامی سوشلزم فطرت انسانی سے ہم آہنگ اور زندگی، آزادی، علم، وقار اور ملکیت کے پانچ فطری حقوق کا داعی اور محافظ ہے۔ اللہ اس کائنات کا حقیقی مالک ہے اور انسان کو ایماندارانہ تصرف پر اس نے مامور کیا ہے۔ حکومت اساسی عوامی اداروں کی تعمیم (قومیانا) اور تکافل اجتماعی کی بنیاد پر اسلامی قوانین کی تنفیذ کے ذریعہ تنظیم کا کام کرتی ہے۔ ڈاکٹر السباعی کے اس تصور نے سرمایہ داری کی مخالفت کی وجہ سے، سوشلزم کو اسلام سے مربوط کرنے کی بنا پر اور صدر جمال عبدالناصر کے اشتراکی نظریات سے قدرے مشابہت کے سبب، جبکہ مصر میں اخوان دار و گیر کے سخت امتحان سے گزر رہے تھے، بڑا اشتعال پیدا کیا اور اسلامی حلقوں میں بالعموم اس کی پذیرائی نہ ہوئی۔

۳۲؎ تفصیل کے لیے دیکھئے راقم کی کتاب، تاریخ دعوت و جہاد برصغیر کے تناظر میں، ہندوستان پبلی کیشنز دہلی، ۱۹۸۴ء ص ۱۸۹ - ۱۹۵۔

۳۳؎ Arnold. S.T.W. The Caliphate, Routledge & Paul Ltd. London, 1965, P. 53.

۳۴؎ سیرت النبی، جلد ہفتم، ص ۱۹۰

۳۵؎ نفس مصدر، ص ۱۹۱-۱۹۲

۳۶؎ فی ملکوت اللہ، حوالہ بالا، ص ۳۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

٣٧۔ اسلامی ریاست، حوالہ بالا، ص ١٣٠

٣٨۔ مقالات الہلال، حوالہ بالا، ص ١٣٩ - ١٤٠

٣٩۔ مولانا عبدالحمید الفراہی، فی ملکوت اللہ، حوالہ بالا ص ٢٤-٢٥

٤٠۔ مقالات الہلال، حوالہ بالا، ص ١١٥

٤١۔ اسلامی ریاست، حوالہ بالا ص ٣٣٩ - ٣٤٠

٤٢۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی شیخ التفسیر والحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور، نظام اسلام مع دستور اسلام، تعلیمی پریس لاہور، ١٣٨٦ھ، ص ٨٨

٤٣۔ نفس مصدر، ص ٩٦ - ٩٧۔ شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی حیات و خدمات کے لیے دیکھیے ماہر القادری، یادِ رفتگان جلد دوم، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ١٩٩٢ء ص ٢١٢ - ٢١٤، نیز مولانا مفتی محمد شفیع کا مقالہ موت العالم موت العالم، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، جلد ٤٨، شمارہ ١٢ دسمبر ١٩٧٤ء ص ٢٣-٢٩
مصر کے نامور محقق استاذ ابوزید شلبی خلافت راشدہ کے دور اور نظام حکمرانی سے بحث کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ خلافت کا طریقۂ انتخاب اور نظام کار جمہوری تھا اس لیے کہ شوریٰ کا مکمل نظام نافذ العمل تھا۔ دوسری طرف خلیفہ شوریٰ کے فیصلوں کا پابند نہ تھا اسے حق استرداد حاصل تھا اس حساب سے اسے مطلق ملوکیت سے مشابہ قرار دیا جاسکتا ہے تیسری طرف خلیفہ کتاب و سنت کا پابند تھا اور اس لحاظ سے اُس نظام کو ہم محدود بادشاہت بھی کہہ سکتے ہیں مگر ان تمام صورتوں میں عوام کی رضامندی اور ان کی رائے کو ہر حال میں مقدم رکھا جاتا تھا۔ تاریخ الحضارۃ الاسلامیۃ و الفکر الاسلامی، مکتبہ وہبہ قاہرہ، طبع خامس، ١٩٨٦ء ص ٧٣ - ٨٨۔

اسلامی معاشرت پر مولانا سید جلال الدین عمری کی ایک قیمتی اور اہم کتاب
مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں
صفحات: ٦٠ قیمت: ٨ روپئے
اس وقیع کتاب کا انگریزی ترجمہ
MUSLIM WOMEN: ROLE AND RESPONSIBILITIES
کے نام سے شائع ہوا ہے۔ انگریزی جاننے والے قارئین کے لیے ایک تحفہ: صفحات: ٦٠ قیمت: ٢٠ روپیے
ملنے کا پتہ: مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور، علی گڑھ۔ ٢٠٢٠٠٢

© rasailojaraid.com